سید عطاء المحسن بخاری

"حکمراں ہے بس وہی باقی بتانِ آذری"

جمہوریت کا راگ الاپنے والے نقلچی اور طبلچی ہمارے ملک میں بہت ہیں۔ ان کے نام شمار نہیں کیے جاسکتے۔ حادثہ یہ ہوا ہے کہ جمہوریت کے نام لیواؤں میں "پانچواں سوار" جماعت اسلامی بھی شامل ہے اور ایک طویل عرصے سے شامل ہے۔ اسی کی دیکھا دیکھی بلکہ "ریسودیسی" مولویوں کا خرلنگ مع عذرلنگ جمہوریت کی اس کالی آندھی میں راستہ بھٹک کے جارج واشنگٹن اور ابراہم لنکن کے نقوشِ پا پہ چلا جا رہا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں جماعت اسلامی نے اس سمت میں رینگنا شروع کیا تو ۶۲ء میں مولوی نے جمہوری بھیڑ بھاڑ میں گھسڑ مُم گھساڑ ہونا سیکھا۔ نتیجہ دونوں میں سے کسی کے حق میں نہ نکلا۔ بلکہ "اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی"۔ عوام کالانعام نے اپنے حیوانی جذبوں، رویوں اور تقاضوں کے جنگلی بھینسے کھلے چھوڑ کر اپنے سوشل اینیمل ہونے کا یقین دلا دیا اور "مولوی" کو بہت بڑا سبق دینے کی کوشش کی کہ مولوی صاحب! کیں رہ کہ تو می روی بہ نیویارک است۔۔۔۔۔۔ یا بہ "کافرستان" است! اور کافرستان کا راہی کبھی بھی کعبۂ ابراہیمی تک نہیں پہنچ سکے گا۔ پہنچنا تو در کنار کعبۂ ابراہیمی کی طرف منہ بھی نہیں کر سکے گا۔ بلکہ تین خداؤں کے خدائی چکروں میں "چکرورتی" بن کے سکنڈے نیویا تو پہنچ جائے گا۔ جہاں سلمان رشدی یا تسلیمہ نسرین جیسے جمہوری فرزندان و دختران اپنی خاک میں پیوند ہونے کیلئے پہنچے ہیں۔ تمہیں مکہ و مدینہ جانا ہے تو اسی راہ پر چلنا ہو گا جس راہ پر سیدنا حسنؓ چل کر واصل بحق ہوئے۔ اپنی جان دے دی مگر امت کی جانوں کو محفوظ کر گئے۔ خود مٹ گئے مگر امت کو مٹنے سے بچا لیا۔

آج کا جمہوری جانور خود مال بناتا ہے، امت کو لوٹتا ہے۔ خود حرام کھاتا، پیتا، پہنتا ہے اور عوام کو طُعمہ دیتا ہے کہ۔۔۔۔ "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام پر"! مشاہدہ یہ ہے کہ عوام پر ہمیشہ حکومت ان خواص نے کی ہے جو شراب، زنا، جوئے، سود، سوّر، جھوٹ، فریب، مکر، جعل سازی، لوٹا سازی، بلیک مارکیٹنگ، فراڈ، غبنِ فاحش اور اقتدار کی خبیث طاقت سے مرصع و مزین ہوں اور اس پر طرّہ ان کی ملک گیر، عالمگیر اور گردوں گیر جہالت ہے۔ اسی جہالت کے بل بوتے پر یہ نجس اور نحس خواص اپنے اخباری بیانوں، تقریروں، سیمیناروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ قوم کو یہ باور کرانے کی کوشش بھی کرتے ہیں کہ جمہوریت اور اسلام میں کوئی تضاد نہیں۔ یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اسلام، اللہ نے نازل فرمایا اور جمہوریت افلاطون نے مرتب کی۔ افلاطون تو یونان کے فلاسفہ میں مشرک اعظم ٹھہرا۔ مگر یہ خرافہ جمہوریت کسی مسلمان نے بھی تو مرتب نہیں کی کہ اس کے ڈانڈے اسلام سے ملتے ہوں۔ آدم علیہ السلام سے لیکر ۱۸۸۰ء تک کسی مسلمان نے بھی اسے قبول نہیں کیا۔ نہ اسے معمول بنایا نہ اسے زندگی کے حسین اسلامی اصولوں کا جز بنایا۔ یہ ایک مشرک کی ایجاد تھی، مشرکوں نے ہی اسے قبول کیا، کافروں نے اسے ذہن انسانی کی معراج سمجھ کر حرزِ جان بنا لیا۔ برطانیہ کے سفید کافروں نے سب سے پہلے حسن جمہوریت کو

خراج عقیدت پیش کیا مگر ان کے خراجِ بدمزاج سے آئرلینڈ کو ساڑھے آٹھ سو برس میں ماش کے دانے کی سفیدی کے برابر بھی حصہ نہ مل سکا۔

جن فرزندان ڈیموکریسی اور سفید کافروں نے اپنے کافر بھائیوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے وہ مسلمانوں کو کیا دیں گے؟ اور ان کے لئے کونسی امثال و نظائر قائم کریں گے؟ مسلمانوں کا جمہوریت کے تشکیلی و تزئینی عمل میں کوئی حصہ ہوتا تو انہیں ضرور اس کا ثمر اور کریڈٹ ملتا۔ مسلمانوں کا کافرانہ نظریۂ ریاست میں حصہ۔۔۔؟ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کافر کی طرف سے آخرت میں حصہ کا مطالبہ! یا کافر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا مطالبہ! کافر سے اہل بیت و صحابہ کو ماننے کا مطالبہ! جس طرح کفار سے اسلام کے بنیادی عقائد ماننے کا مطالبہ غیر فطری ہے اسی طرح کفار سے مسلمانوں کیلئے خیر کا مطالبہ بھی غیر فطری ہے۔ اسی لئے جب بھی جمہوریت کے اصول و مقاصد کی بات ہوتی ہے تو کفار و مشرکین ہی اس کی سند بنتے ہیں۔ مثلاً افلاطون، ارسطو، روسو، ہیگل، جارج واشنگٹن، ابراہم لنکن ایسے سرخ و سفید کفار و مشرکین ہی سند ہیں۔ اگر اس "ڈھڈو" جمہوریت کا اسلام سے کوئی فکری و عملی رشتہ ہے تو نبی، آل نبی اور اصحاب نبی اس کا حوالہ کیوں نہیں بنتے۔ جمہوریت کا اسلام سے سب سے بڑا تصادم ہی یہ ہے کہ اس میں قوتِ مقتدرہ، اقدار، ہئیت اقدار (لفظوں کی حد تک) عوام کو سونپ دیئے جاتے ہیں۔ مگر اسلام میں یہ تمام اللہ کی صفات ہیں۔ اللہ قادر، قدیر، مقتدر، جبار، احکم الحاکمین اور ملک و مالک ہے۔ ان صفات عالیہ کو اللہ جل جلالہ نے صرف اپنے لئے ہی مخصوص فرمایا ہے۔ اور عقیدہ و عمل میں اس کو جاری و ساری کرنے کا مطالبہ بھی فرمایا ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے بس وہی باقی بتان آذری

جمہوریت کا اسلام سے دوسرا بڑا تصادم آزادیٔ رائے کا ہے۔ اسلام رائے کو پابند کرتا ہے، اسے ایک خاص رستہ اور خاص منزل دیتا ہے۔ اسی پر چلنے کا پابند کرتا ہے اور پابندی کی خلاف ورزی قابل تعزیر سمجھتا ہے۔ مگر جمہوریت میں انسان کو ہر کھیتی میں چرنے، ہر چار دیواری میں گھس جانے اور ہر مکان میں جھانکنے اور ہر برتن میں منہ مارنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اختیار بھی ہے۔ عوام اگر سب کچھ خود کر سکتے تو قرآن نازل نہ ہوتا، نبی کریم مبعوث نہ ہوتے۔

قرآن کریم میں ہے:

قُل لو شَاءَ اللهُ مَاتَلو تُہ عَلَیکُم وَلَا اَدرَاکُم بِہ فَقَد لَبِثتُ فِیکُم عُمراً مِن قَبلِہ اَفَلَا تَعقِلُون

(اے نبی) کہہ دیجئے اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں قرآن ہی نہ سناتا اور تمہیں اس سے خبردار ہی نہ کرتا (مگر اس کا چاہنا یہی ہوا کہ تم میں اس کا کلام نازل ہو اور تمہیں اقوام عالم کی ہدایت کا ذریعہ بنائے) پھر دیکھو، یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملے سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ہوں۔ کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟

(یونس: آیت ۱۶)

قرآن کا نزول ہدایت و رہنمائی اور نبی کا وجود راہ ہدایت اور راہ عمل متعین کرتا ہے۔ اعمال کی شکل بھی متعین کرتا ہے اور ایک عالیشان نقشہ بھی عطا کرتا ہے۔ پھر اس نقشے کے عین مطابق عمارت بھی بناتا اور اس عمارت کے بوسیدہ نہ ہونے کا یقین بھی دلاتا ہے اور بتلاتا ہے کہ انسانوں نے اگر زندگی کا لطف اور زندگی کی خوشیاں سمیٹنی ہیں تو سچے نبی کی زندگی کو اپنائیں۔ ۲۳ برس کی مجاہدہ، محنت، صبر، استقامت اور تبلیغ والی زندگی کو آئیڈیل بنائیں۔ صرف ایک خطبے (حجتہ الوداع) کو نہیں! پوری زندگی کے ہر ہر عمل کو اپنائیں۔

حقوق اور عقیدہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ عوام کو بنیادی، عوامی، حیوانی یا انسانی حقوق اگر درکار ہیں تو اس کے لئے بھی عوام کو قانون الٰہی کا پابند رہنا یا پابند بنانا اتنا ہی ضروری ہے جتنے حقوق!۔۔۔۔۔ جہاں قانون الٰہی کی نافرمانی ہوگی، اس کو پامال کیا جائے گا، حکومتی سرپرستی میں اس کی تذلیل کی جائے گی، عوامی سطح پر اس کی تکذیب کی جائے گی اور نظریاتی طور پر اس کا منہ چڑایا جائے گا تو

وَمَن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ

"ایسے لوگوں کی روزی تنگ کر دی جائے گی اور انہیں قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا۔"

(طٰہٰ، آیت ۱۲۴)

یہی اللہ کے غضب و انتقام کی نشانی ہے۔ اب غور کیجئے کہ عوام کو بخشی گئی ڈیموکریٹک آزادی ہمیں کہاں لے جائے گی؟ ہماری کیا درگت بنائے گی؟ اس آزادی کی حشر سامانی سے کون کون تباہی کے غار میں دھکیل دیا جائے گا؟ قرآن کی غور و فکر کی دعوت دراصل انہی مفاہیم اور حقائق تک رسائی کی دعوت ہے۔ "حقوق" اور "عقیدے" میں تمیز کرنا بہت ضروری ہے ورنہ ہماری اور کفار و مشرکین کی سوچ میں فرق نہیں رہے گا۔ احوال میں فرق نہیں رہے گا اور انجام میں بھی فرق نہیں رہے گا۔

کاش ہم سوچیں!

کاش ہم قرآن پڑھیں!

کاش ہم نبی کی محبت کی بہار میں نبی کی ۲۳ برس کی حیات طیبہ کی خوشبو بھی شامل کر لیں!

کاش ایسا ہو!

واقعہ کربلا اور اس کا پسِ منظر

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

ایک نئے مطالعے کی روشنی میں

تحقیق کی دنیا میں علماء اور دانشوروں سے دادو تحسین وصول کرنے والی
نہایت متوازن اور مسلکِ حق کی ترجمان کتاب

بخاری اکیڈمی، مہربان کالونی، ملتان۔

قیمت 150روپے